ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



سرفراز حسین[۞]
ڈاکٹر شذرہ حسین[۞۞]

# کمال احمد رضوی: ذہنی و فکری پس منظر

**Kamal Ahmed Rizvi: The Mental and Intellectual Perspective**

By *Sarfaraz Hussain, Research Scholar, Department of Urdu, University of Sindh, Jamshoro.*
*Dr. Shazra Hussain, Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sindh, Jamshoro.*

**ABSTRACT**

Kamal Ahmed Rizvi (1930-2015) was a great and versatile writer of Urdu Literature. Having no match in personality and stature, he is considered as a renowned short story writer, play writer, producer, director, philosopher and translator, simultaneously. He is acclaimed as the King of Humour and Satirical writing, which is a very arduous task.

This paper sheds light on different aspect of his life and work for the benefit of young readers of Urdu literature, particularly for those who have keen interest in progressive writings, he drew the attention of his reader towards social and cultural issues prevailing in the society. His efforts to suggest reforms to address social evils are commendable and deserve appreciation.

**Keywords:** Kamal, Humour, Satire, Short stories.

ہندوستان کے صوبے بہار میں ضلع ''گیا'' واقع ہے۔ اس ضلع ''گیا'' کی وجہ شہرت یہ ہے کہ بھکشو شاہزادے نے آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے اپنا راج اور تاج چھوڑ کر اس بستی کے ایک درخت کے سائے میں دھونی رمائی اور پھر اس وقت وہاں سے اٹھا جب اسے گیان حاصل ہوا۔[۱] اسی نسبت سے اس شہر کا نام ''گیا'' پڑ گیا۔ ''گیا'' شہر کا شمار دنیا کے

۞ ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو
۞۞ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ان چند شہروں میں کیا جاتا ہے جہاں لاکھوں زائرین ہر سال کھنچے چلے آتے ہیں، یہ دنیا بھر میں آباد بدھ مت کے پیرو کاروں کا مقدس اور مذہبی شہر ہے[۲] اسی شہر ''گیا'' وضع جھکٹیا، ڈاک خانہ رفیع گنج ضلع ''گیا'' میں یکم مئی (یومِ مزدور) ۱۹۳۰ء کو سید عبدالرشید (و: ۱۹۵۳ء) کے یہاں ایک بیٹے نے جنم لیا جس کا نام سید کمال احمد رکھا گیا۔

سید عبدالرشید محکمہ پولیس میں آفیسر تھے۔ اس گھرانے پر مذہب کی گہری چھاپ تھی، کیوں کہ ان کے آباؤ اجداد نے اس شہر میں اسلام کی شمع روشن کی تھی۔ سید کمال احمد نے جب ہوش سنبھالا تو انھیں گھر میں رکھی ہوئی الماریوں میں ان گنت کتابوں کا خزانہ ملا اور ان کتابوں ہی نے سید کمال احمد میں ایک ادیب کو جنم دیا۔ سید کمال احمد کا بچپن محرومی اور تنہائی کے سائے میں گزرا جس کا سایہ ساری عمر سید کمال احمد کے ساتھ رہا، ابھی سید کمال احمد کی عمر نو برس ہی ہوگی، جب انھوں نے اردو زبان میں لکھنے والے بڑے بڑے ادیبوں، عالموں اور دانشوروں کی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں[۳] سید عبدالرشید صاحب مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ تھیٹر کو بھی پسند کرتے تھے اور وہ جب بھی تھیٹر دیکھنے جاتے تو سید کمال احمد کو بھی ساتھ لے جاتے تھے، جس نے سید کمال احمد کے اندر چھپے ہوئے فن کار کو منظرِ عام پر آنے میں مہمیز کا کام کیا۔

سید کمال احمد کی والدہ سے پہلے سید عبدالرشید صاحب کی ایک اور بیوی تھی، جن سے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ایک بیٹا کم سنی میں ہی انتقال کر گیا تھا، لہٰذا اس کا ذکر ہی ملتا ہے۔ جب کہ دوسرا بیٹا سید محفوظ عالم اور بیٹی ممتاز فاطمہ المعروف تاجو بوبو نے لاہور میں وفات پائی۔[۴] سید کمال احمد اپنی والدہ سے اکلوتی اولاد تھے۔ کم سنی میں والدہ کے انتقال اور والد کی شادی نے سید کمال احمد کو بچپن ہی سے تنہائی پسند بنا دیا تھا۔ باوجود اس کے کہ ان کی نئی والدہ نے کبھی ان کے ساتھ سوتیلے بیٹوں جیسا سلوک روا نہیں رکھا مگر ان کے اچھے سلوک کے باوجود سید کمال احمد نے ان کو اپنی سوتیلی ماں ہی سمجھا۔ اس طرح سید کمال احمد رضوی کا بچپن احساس محرومی کے سائے میں گزرا اور انھوں نے گوشۂ تنہائی سے محبت کا رشتہ استوار کر لیا۔

سید کمال احمد بارہ برس کے تھے جب انھوں نے ایک کہانی لکھ کر ''کمال رضوی'' کے نام سے دلی کے ایک رسالے میں چھپنے کے لیے بھیجی۔ دو ماہ بعد کہانی شائع ہوئی تو سید کمال احمد نے اس کہانی کے بارے میں اپنے والد سید عبدالرشید صاحب کی رائے پوچھی تو انھوں نے کہا کہ ''تمھاری کہانی تو خوب ہے مگر اس میں مجھے ایک بڑی خامی دکھائی دی ہے، تمھارے نام میں جو سب سے زیادہ خوب صورت لفظ ہے، وہ لفظ تو تم نے نام میں شامل نہیں کیا۔ سید کمال احمد سمجھ گئے کہ ان کے والد کا اشارہ اسم ''احمد'' کی طرف ہے۔ اس دن سے لے کر آخری سانس تک سید کمال احمد نے اپنے نام کے ساتھ ''احمد'' کا لفظ جدا نہ کیا۔[۵] کمال احمد رضوی نے اپنے اسکول میں ہونے والے ولیم شیکسپیئر کے مشہور ڈرامے ''مرچنٹ آف وینس'' میں یہودی شائلاک کا کردار ادا کیا تھا، جب کہ اس وقت وہ آٹھویں جماعت کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



طالبِ علم تھے۔ کمال احمد رضوی بچپن ہی سے شوخ، منہ زور، کھنلڈ رے، نقال، بازی گر قسم کی عادتوں کے مالک تھے۔ کیا مجال کہ کسی گھر یا باؤنڈ ری میں امرود، بیر یا پپیتہ ان کی زد سے محفوظ رہے۔ اگر یہ تمام درخت کمال احمد رضوی کے قابو سے باہر ہوتے تو پھر اس گھر پر سنگ باری لازمی تھی۔[۶] کمال احمد رضوی کے والد تو پولیس کے داروغہ تھے جب کہ ان کا بیٹا گاؤں کا داروغہ تھا۔

> ہر ضعیف آدمی کمال احمد رضوی سے پیار اس ڈر سے کرتا تھا کہ ان کی گلیوں میں نقل نہ اتاری جائے، جیسا کہ ایک بزرگ جن کا نام ''چھٹن'' تھا وہ ذرا اٹک اٹک کر اور ہکلا کے بولتے تھے۔ ان کی نقل کمال احمد رضوی اس خوبی اور خوب صورتی سے ادا کرتے تھے کہ ایک روز ''چھٹن'' کی بیوی بھی رضوی کے چکر میں آ گئی اور اندر بلالیا، پھر وہ ہنگامہ ہوا کہ الٰہی پناہ۔[۷]

بچپن میں عام خیال یہ تھا کہ کمال احمد رضوی بہت زیادہ بد دماغ اور تند خو ہیں، ان ہی دنوں کمال احمد رضوی کے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس نے کمال احمد رضوی کے اندر ایک ہمدرد اور اچھا انسان پیدا کر دیا۔ اس واقعہ کو کمال احمد رضوی نے یوں بیان کیا ہے:

> بچپن میں میرا ایک کلاس فیلو تھا۔ میری طرح دبلا پتلا اور کمزور سا۔ اس دوست کی بدقسمتی کہ وہ بچپن میں ہی ٹی بی کے روگ میں مبتلا ہوگیا۔ وہ دو سے تین ماہ بستر پر پڑا رہا، میں اس کی بیماری کے دوران میں اس کی چارپائی کے قریب رہا، کیوں کہ میں جانتا تھا میرے اس دوست نے مرجانا ہے، زندہ نہیں بچنا، لہٰذا میں اسکے قریب رہ کر اسے زندہ رہنے کا حوصلہ دیتا۔ کیوں کہ میں جن دنوں کی بات کرتا ہوں، ان دنوں آج کل کی طرح تپ دق کا مؤثر علاج ممکن نہ تھا، لہٰذا جسے ٹی بی کا مرض لگتا اس کا مرنا یقینی تھا۔ میرے دوست کا علاج کرنے والے ڈاکٹر نے مجھے کہا... ''تپ دق (ٹی بی) چھوت کی بیماری ہے۔ تم کمزور بچے ہو، ایسا نہ ہو کہ یہ بیماری تمھیں بھی لگ جائے۔ میرے والد نے بھی مجھے سختی سے منع کیا اور حکم دیا، اس بیمار بچے کے قریب نہ جایا کرو۔ لیکن میرے اس دوست کی موت اس حالت میں ہوئی کہ اس کا سر میری گود میں تھا اور اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔''[۸]

دوست کی موت کا افسوس تو بے حد ہوا لیکن کمال احمد رضوی کا ضمیر مطمئن تھا کہ وہ دوست کی جتنی خدمت اور دل جوئی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



کر سکتے تھے انھوں نے کی۔ کمال احمد رضوی کے اکثر اساتذہ ہندو تھے اور صوبہ بہار میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آپس میں نہیں بنتی تھی مگر کمال احمد رضوی کا بچپن ان دوستوں کے ساتھ گذرا جو استادوں کا احترام کرتے، بزرگوں کی عزت کرتے اور خاندانی روایات کی پاسداری کرتے تھے۔ان کے اساتذہ نے بھی کبھی ان کو مسلمان شاگرد نہیں سمجھا اور نہ ہی انھوں نے کبھی اپنے اساتذہ کو ہندو۔ کمال احمد رضوی کو فن کاروں سے محبت ورثے میں ملی، ان کے والد فن کاروں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ فن کاروں کو گھر کھانے پر بلاتے۔ ان کی عزت کرنا، ان کے کام کو سراہنا انھیں پسند تھا۔ وہ خوش خط تھے۔ ایک مرتبہ بڑے بڑے پوسٹر خود ہاتھ سے تیار کیے جنھیں کمال احمد رضوی نے پورے قصبے میں خود جا کر لگایا۔[۹]

پٹنہ کے قریب ایک قصبے میں کمال احمد رضوی کے والد اکثر ان کو نوٹنکی دکھانے اپنے ساتھ لے جاتے تھے، وہاں محفلیں جمتیں، جن میں موسیقی اور ڈرامے کی محفلیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ رضوی کو یہیں سے ڈرامے پڑھنے کا شوق ہوا۔ ان دنوں ''ساقی'' میں مولوی عنایت اللہ دہلوی شیکسپیئر کے ڈراموں کو اردو میں ڈھال کر بڑے خوب صورت انداز میں شائع کرتے تھے۔ میٹرک پاس کرنے تک رضوی نے جدید ڈراموں کا اتنا گہرا مطالعہ کیا کہ انھیں ہر ڈراما ازبر ہو گیا اور پھر بی اے تک کلاسک ڈراموں کا مطالعہ کرتے رہے۔[۱۰] ۱۹۴۸ء میں پٹنہ یونی ورسٹی سے نفسیات میں گریجویشن کیا۔ پٹنہ میں قیام کے دوران کمال احمد رضوی نے ایک رسالہ ''سہیل'' نکالنے کی کوشش کی، پر انھیں اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔[۱۱] وہ زمانہ کچھ ایسا تھا کہ ڈراموں کا کوئی مستقبل نہ تھا اس دور کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> ہمارے ہاں مغربی ڈراما کے تراجم اور ریڈیو ڈراموں کی فراوانی کے باعث قدیم طرز کے ڈراموں کا بازار یکسر سرد پڑ گیا تھا۔[۱۲]

ان حالات میں کمال احمد رضوی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہندوستان میں رہ کر کیا کریں گے۔ باپ کے ساتھ کبھی بنی نہیں، ماں سوتیلی تھی باپ نے اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہوئے مشورہ دیا کہ اب اسے اپنے (سوتیلے) بھائی محفوظ عالم کے پاس پاکستان چلے جانے چاہیے۔ کمال احمد رضوی شروع سے تنہا تھے بالکل تنہا۔ ہندوستان یا پاکستان! کیا فرق پڑتا ہے۔ بقول ڈاکٹر حسن منظر ''تقسیم کمال احمد رضوی کے لیے نعمت ثابت ہوئی۔''[۱۳] کمال احمد رضوی پاکستان آنے کے لیے ریل گاڑی میں سوار ہوئے تو اس وقت ان کے والد نے بے اختیار کمال احمد رضوی کا ماتھا چوما۔ تو کمال احمد رضوی نے یہ سوچا کہ اگر میرا باپ کبھی کبھی میرا ماتھا چوم لیا کرتا تو میری مٹی کبھی میرے پیر نہ چھوڑتی۔[۱۴] گاڑی چل پڑی اور کمال احمد رضوی کا بچپن، یادیں، ماں باپ، گاؤں سب کچھ رفتہ رفتہ دھند میں غائب ہو گیا۔

یہ ۱۹۴۸ء کے آخر کی بات ہے جب انیس برس کا لمبا، دبلا پتلا، صراحی دار گردن والا نوجوان کمال احمد رضوی چند اجنبی خواتین کے ساتھ کھوکھراپار کے راستے پاکستان آ گیا ہے۔ کراچی میں پھیلے انسانوں کے جنگل میں وہ بالکل تنہا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



اپنے حیدرآبادی دوست کے باوجود، جس کے ہاں وہ رہ رہا ہے، جو کہ ''جمہور کی آواز'' نامی اخبار میں مترجم ہے۔ اس دوست کی کوششوں کے باوجود بے کاری جو تھوڑی بہت جمع پونجی وہ ساتھ لایا ہے آخر کب تک چلے گی؟[۱۵] ان ہی بے کاری کے دنوں میں کمال احمد رضوی غیر ارادی طور پر بندر روڈ (ایم اے جناح روڈ) پر واقع انجمن ترقی پسند مصنّفین کے اجلاس میں گئے جہاں ان کی ملاقات ابراہیم جلیس (۱۹۲۴ء۔۱۹۷۷ء)، شوکت صدیقی (۱۹۲۳ء۔۲۰۰۶ء)، ممتاز حسین، مجتبیٰ حسین جیسے نامور ادیبوں سے ہوئی۔ کمال احمد رضوی کی سوچ کو یہاں زبان ملی۔[۱۶]

کتابوں کی دکان میں کامل القادری سے ملاقات ہوتی ہے جو پاکستان میں کمال احمد رضوی کے پہلے گہرے دوست بنتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی امارات اور غربت شیئر کرتے ہیں۔ کمال احمد رضوی انجمن ترقی پسند مصنّفین کے اجلاس میں باقاعدگی سے جاتے رہتے ہیں۔ جہاں عموماً ان کا نام ہی پوچھا جاتا تھا ایک دن پوچھ لیا گیا کہ ''کرتے کیا ہو؟'' تو غیر ارادی طور پر کمال احمد رضوی نے کہا کہ ''ڈراما لکھتا ہوں۔''[۱۷] جب کہ حقیقتاً کمال احمد رضوی نے تو کبھی ڈرامے کا ایک لفظ تک نہیں لکھا تھا۔ البتہ پڑھتے ضرور تھے۔ وہ لوگ کمال احمد رضوی کو ایک چھوٹا سا ایکٹ لکھ کر لانے کو کہتے ہیں تو کمال احمد رضوی وہاں سے غائب ہوجاتے ہیں۔ ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد جب ان سے ملاقات ہوتی ہے تو کمال احمد رضوی ان کو بتاتے ہیں کہ وہ ضروری کام سے ہندوستان گئے ہوئے تھے۔[۱۸] کمال احمد رضوی ان ہی جھوٹ سچ کے سہارے دن بتا رہے تھے کہ فاقے منہ پھاڑے کھڑے نظر آئے۔

کمال احمد رضوی کی ترقی پسند مصنّفین کے وسیلے سے ٹریڈ یونین ازم سے بھی آشنائی ہوتی ہے۔ جب انجمن ترقی پسند مصنّفین پر پابندی عائد کی جاتی ہے تو کمال احمد رضوی کراچی سے لاہور چلے جاتے ہیں۔

> ان دنوں لاہور جانے کے لیے براستہ کوئٹہ جانا ہوتا تھا، کوئٹہ جانا اس لیے بھی ضروری تھا کہ ان دنوں وہاں کامل القادری ہوتے تھے ان سے ملے بغیر جانا زیادتی ہوتی۔ کمال احمد رضوی کوئٹہ میں اپنی گرم شال اور چسٹر کامل کو دے دیتے ہیں، یہ بہانہ کر کے کہ یہ چھوٹا سا سوٹ کیس پھٹا پڑتا ہے جگہ ہی نہیں ہے۔ لاہور کے سفر کے دوران ٹرین میں شدید سردی کی باعث کمال احمد رضوی مسلسل کانپے جاتے ہیں، تو ایک مسافر کمال احمد رضوی پر اپنا کمبل ڈال دیتا ہے پھر جب اس مسافر کو سردی لگتی ہے تو وہ اپنا کمبل واپس کھینچ لیتا ہے، کمال احمد رضوی ٹھٹھرتے رہتے ہیں اور لاہور پہنچ جاتے ہیں یہ دسمبر ۱۹۵۱ء کے آخری دنوں کی بات ہے۔[۱۹]

لاہور پہنچ کر سب سے پہلے کمال احمد رضوی کے ذہن میں دہلی مسلم ہوٹل نئی انارکلی کا نام آتا ہے اور کمال احمد رضوی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



اسی ہوٹل میں ایک آدھ دن اپنے تھکے ٹوٹے بدن کو آرام دے کر بھائی محفوظ عالم کی تلاش میں نکلنا چاہتے ہیں، کمال احمد رضوی کے سوتیلے بھائی محفوظ عالم ایونکیو ٹی ٹرسٹ پراپرٹی کے دفتر میں ملازمت کرتے تھے اور ان کی رہائش سوڈھیوال کوارٹروں میں تھی۔ کمال احمد رضوی جب بھائی کے گھر پہنچے تو بھائی اور بھابھی نے خوش دلی سے سر آنکھوں پر بٹھایا۔(۲۰) ان دنوں فیض احمد فیضؔ (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۸۴ء) راولپنڈی سازش کیس میں گرفتار ہو چکے تھے۔ انجمن ترقی پسند مصنّفین پر پابندی لگ چکی تھی، اس لیے لاہور کے ادیبوں سے فی الحال ملنا دشوار تھا۔ حلقہ ارباب ذوق کے اجلاس میں بھی چھ دن باقی تھے کمال احمد رضوی بھائی محفوظ عالم سے منٹو صاحب کا پتا پوچھتے ہیں جواباً بھائی محفوظ عالم بتاتے ہیں کہ وہ ان صاحب کو نہیں جانتے۔ کمال احمد رضوی کی لاہور میں پہلی ملاقات ''ادبِ لطیف'' کے دفتر میں مرزا ادیب (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۹) کے ساتھ ہوتی ہے، مرزا صاحب کے سینے میں بہت ہم درد دل تھا وہ فوراً کمال احمد رضوی کے سر پر دست شفقت رکھ دیتے ہیں اور جب کمال احمد رضوی نے مرزا ادیب کے ''صحرا نورد کے خطوط'' کی بہت تعریف کی تو مرزا ادیب کے دست شفقت میں محبت کا چشمہ بھی ابل آتا ہے،(۲۱) یہیں پر (ڈاکٹر) منظر حسن منظرؔ (پ: ۱۹۳۴) کے ساتھ بھی کمال احمد رضوی کی ملاقات ہوتی ہے جو کہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے۔(۲۲)

کمال احمد رضوی کا زیادہ تر اٹھنا بیٹھنا ''ادبِ لطیف'' کے دفتر میں تھا۔ یہاں عموماً کمال احمد رضوی، مرزا صاحب کو ادب لطیف کی پروف ریڈنگ کر دیتے تھے۔ ان دنوں کمال احمد رضوی شاعری کرتے تھے۔ ادب لطیف میں ان کی غزلیں چھپتی تھیں۔(۲۳) اس کے علاوہ کمال احمد رضوی ادب لطیف کے لیے غیر ملکی افسانوں کے ترجمے بھی کرتے تھے جس کا کمال احمد رضوی کو معاوضہ بھی ملتا تھا جو کبھی دس روپے سے زیادہ نہ تھا۔ مرزا ادیب کمال احمد رضوی کی بے کاری کا خیال کر کے کارواں بک ڈپو کے مالک چوہدری عبدالحمید (۱۹۰۶ء۔۱۹۵۸ء) سے بات کر کے کمال احمد رضوی کو ایبک روڈ پر واقع کارواں بک ڈپو پر ملازم رکھوا دیتے ہیں۔(۲۴)

کمال احمد رضوی یہاں زیادہ نہیں ٹھہرتے۔ اسکے بعد کمال احمد رضوی روزنامہ ''احسان'' کے سنڈے ایڈیشن میں ترجمے کر کے معاوضہ پاتے ہیں۔ ان کو ایک مضمون کے دس سے پندرہ روپے مل جاتے تھے۔ کمال احمد رضوی کی ان دنوں آمدنی کا دوسرا ذریعہ روزنامہ ''امروز'' تھا۔(۲۵) جہاں سے کمال احمد رضوی کو مضمون کا ترجمہ کرنے کا معاوضہ ملتا تھا اس تمام تر جدوجہد کے باوجود کمال احمد رضوی کو ان کے بھائی اور بھابھی بے کار سمجھتے تھے۔ ایک دن اسی بے کاری کی وجہ سے بھائی محفوظ عالم سے معمولی تکرار پر کمال احمد رضوی احتجاجاً انارکلی، اپنی بہن ''تاجو بوبو'' کے گھر منتقل ہو جاتے ہیں۔(۲۶) کمال احمد رضوی کی خود سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ وہ اپنی بے کاری، بے روزگاری کا کیا علاج کرے۔ اس سلسلے میں مرزا ادیب اور ڈاکٹر منظر حسن منظرؔ بہت مشورے دیتے ہیں مگر کمال احمد رضوی کا وہ جملہ جو کہ انھوں نے انجمن ترقی پسند

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



مصنّفین کراچی کی ایک نشست میں کہا تھا ''میں ڈراما لکھتا ہوں'' کنکھجورے کی طرح دماغ پر چپک جاتا ہے۔(۲۷)

ان دنوں کمال احمد رضوی کی مالی حیثیت بہت خراب تھی بدقسمتی سے ان ہی دنوں کمال احمد رضوی کو ٹائیفائیڈ ہوتا ہے اور وہ صاحب فراش ہوجاتے ہیں۔ انھیں نیم مردہ حالت میں میواسپتال لاہور کے ایسٹ ونگ وارڈ میں بیڈنمبر ۲۱ پر داخل کیا جاتا ہے۔ خوش قسمتی سے ان ہی دنوں ٹائیفائیڈ کے لیے کلورومائی سن دوا دریافت ہوئی تھی جو کہ کمال احمد رضوی کے بھائی محفوظ عالم اور حسن منظر بہت ہی مشکلوں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر لاتے تھے۔(۲۸)

اسپتال سے چھٹی ہونے پر کمال احمد رضوی کچھ عرصہ مسعود اشعر کے ساتھ میکلوڈروڈ پر واقع عمارت کی دوسری منزل پر رہنے کے بعد مجیٹھیال ہاسٹل پہنچ جاتے ہیں۔ اس ہاسٹل کے جس کمرے میں کمال احمد رضوی کا قیام ہے اسی کمرے میں حسن طاہر بھی ہیں جو کہ مشہور شاعر تھے۔ کمال احمد رضوی کا یہ بندوبست کافی ہاؤس کے ایک وکیل دوست کی مرہون منت تھا۔ حلقہ ارباب ذوق ہفتہ وار جلسوں میں اور ٹی ہاؤس میں کمال احمد رضوی کی ملاقات بہت سے ادیبوں، شاعروں اور مصوروں سے ہوتی ہے۔ انور جلال شمزہ (۱۹۲۸ء۔۱۹۸۵ء) بہت بڑے مصور جو کہ ایک زمانہ میں فکشن بھی لکھتے تھے اور ریڈیو کے لیے ڈارمے بھی) اور شاکر علی (مصور: ۱۹۱۶ء۔۱۹۷۵ء) کمال احمد رضوی کے بہت قریب آجاتے ہیں۔(۲۸)

اگر چہ ان ہی دنوں حنیف رامے (۱۹۳۰ء۔۲۰۰۶ء) کی وساطت سے چوہدریوں کے لیے ایک روپیا فی صفحے کے حساب سے ڈیل کارینگی کی ساڑھے تین سو صفحے کی کتاب ''میٹھے بول میں جادو ہے'' کا ترجمہ کرکے فارغ البال ہوئے ہیں کہ پھر رہائش کا مسئلہ سر اٹھاتا ہے، کمال احمد رضوی کی بپتا سن کر شاکر علی کا دل موم ہو جاتا ہے اور شاکر علی، کمال کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ دوستووسکی کے ''کرائم اینڈ پنشمنٹ'' جرم وسزا، کی ڈرامائی تشکیل کا ترجمہ شاکر علی کے گھر ہی پر کیا تھا۔ اب کمال احمد رضوی کو ترجمے کے ڈھائی تین سو روپے تک مل جاتے ہیں۔ کمال احمد رضوی اس سلسلے میں غلام علی اینڈ سنز سے لے کر فیروز سنز تک ایسے اداروں کے لیے ترجموں کے بادشاہ بن جاتے ہیں۔(۳۰)

کمال احمد رضوی کی بچوں کے لیے ترجمہ نگاری پر عشرت رحمانی لکھتے ہیں کہ:

> انھوں نے بچوں کے لیے جو ڈرامے لکھے ہیں وہ سب انگریزی ڈراموں کے ترجمے ہیں۔ جو ''شیخ غلام علی اینڈ سنز''، کتاب منزل، لاہور کے ایما سے لکھے گئے اور سب کے سب اس ادارے نے شامل کیے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:
>
> (۱) جادو کی بوتل (۲) خوب صورت شہزادی (۳) سمندر کا نمک (۴) چالاک بلی (۵) دماغ کی تلاش۔ ان کی زبان سلیس ہے مگر بعض مقامات پر بیان میں الجھاؤ ہے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



اور لفظی ترجمے کی گنجلک ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زیادہ تر سرسری توجہ اور کم فرصتی میں لکھے گئے۔ اس لیے ان میں اکثر نظرِ ثانی کے محتاج ہیں۔ کیوں کہ بنیادی طور پر یہ سب بچوں کے انگریزی تھیٹر کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر تصنیف کیے گئے ہیں۔(۳۱)

ان ہی دنوں انور جلال شمزہ کمال احمد رضوی کو ریڈیو اسٹیشن لے جاتے ہیں اور سلیم شاہد سے ملاقات کراتے ہیں۔ سلیم شاہد کو کمال احمد رضوی بہت پسند آتے ہیں، یہیں رفیع پیرزادہ (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۷۴ء)، کمال احمد رضوی کو اپنے ''حلقۂ ارادت'' میں لے لیتے ہیں۔ ریڈیو پاکستان میں کمال احمد رضوی کا اٹھنا بیٹھنا شاد امرتسری (۱۹۲۴ء۔۱۹۶۶ء) کے ساتھ ہوجاتا ہے، جو کہ دوستی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ بقول کمال احمد رضوی ''میری تربیت میں شاد امرتسری کا بڑا ہاتھ تھا۔''(۳۲) شاد امرتسری ریڈیو پاکستان میں موسیقی کے پروگرام کے پروڈیوسر تھے۔ لیکن کمال احمد رضوی کا موسیقی سے بالواسطہ تعلق نہ ہونے کے باوجود شاد امرتسری سے کمال احمد رضوی کی خاصی گاڑھی چھنتی تھی، ان دنوں چوں کہ کمال احمد رضوی کا کوئی خاص مشغلہ نہیں تھا لہٰذا کمال احمد رضوی کا زیادہ وقت ریڈیو پاکستان کے چکر لگانے میں صرف ہوتا ہے اور دل میں تمنا تھی کہ کسی طرح ریڈیو ڈرامے تک میری رسائی ہوجائے، یہ عمل سست روی کا شکار رہا اور اسی دوران شاد امرتسری کے توسط سے سعادت حسن منٹو سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔(۳۳)

منٹو صاحب اور کمال احمد رضوی کی دوستی ۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء یعنی منٹو صاحب کی وفات تک اسی طرح قائم رہی۔ ۱۹۵۵ء میں فیض احمد فیض جیل سے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ فیض صاحب سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کمال احمد رضوی لکھتے ہیں کہ:

فیض صاحب سے پہلی بار ملنے کا شرف اس وقت ہوا جب وہ روزنامہ پاکستان ٹائمز اور امروز کے مدیر ہوتے تھے۔ بڑے لوگوں سے ملنے کا خبط، چھوٹے لوگوں کے دلوں میں پنہاں ہوتا ہے اور فیض صاحب تو پاکستان بھر کے سب سے بڑے شاعر اور آدمی تھے، ان سے ملنے کا خبط کیوں رنگ نہ لاتا۔ جب میں پاکستان ٹائمز کے دفتر میں داخل ہوا تو پہلی منزل پر ایک کمرے کے باہر فیض صاحب کے نام کی تختی دیکھی اور دل تیزی سے دھڑکنا شروع ہوگیا۔ پتا نہیں ان کو ملنے سے زیادہ دیکھنے کا جذبہ کارفرما تھا۔ لیکن جب وہ ملے تو وہ ساری ہیبت منٹوں سیکنڈوں میں کافور ہوگئی اور یوں لگا جیسے ان سے کئی بار مل چکا ہوں اور کوئی حجاب اور پردہ نہیں تھا۔(۳۴)

اب کمال احمد رضوی کا اٹھنا بیٹھنا فیض احمد فیض کی صحبت میں زیادہ تھا۔ ''کمال احمد رضوی کی فیض صاحب سے منٹو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



صاحب کی طرح بے تکلف دوستی تو نہ تھی۔ مگر فیض صاحب کمال کو اپنے سینے سے لگا کر رکھتے تھے۔''(۳۵)

ان ہی دنوں ضیا محی الدین (پ: ۱۹۲۳ء) کے پیش کردہ ڈراما ''جولیٹ سیزر'' میں پہلی بار کمال احمد رضوی نے اداکاری بھی کی۔(۳۶) اس کے بعد کمال احمد رضوی اور تھیٹر ایک دوسرے کا مترادف بن گئے تھیٹر کے لیے کمال احمد رضوی سب سے زیادہ محنت کرتے تھے۔ ڈراما سوچتے تھے اور ڈارما کرتے تھے۔ ڈراما اور کمال احمد رضوی ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہو چکے تھے ان دنوں کمال احمد رضوی اپنی زندگی بھر پور طریقے سے گزار رہے تھے۔ جھگڑے، لڑائیاں، دوستیاں، دشمنیاں، محبتیں، نفرتیں، ہر پہلے موقع پر نیا عشق، جہاں ہوتے محفل سجا لیتے تھے۔ ہنستے تھے، ساتھ بیٹھے کو بدن کے کسی حصے پر تھپڑ مار مار کے لال کر دیتے تھے، جھوٹ سچ کہانیاں (ایک روز پہلے کا بولا جھوٹ دوسرے روز یاد نہیں رہتا) Mimicry کے بادشاہ، دوستوں کو بھی نہیں بخشتے، فیض صاحب، تاج صاحب، رفیع پیرزادہ صاحب، شاکر علی، ظہیر کاشمیری (۱۹۱۹ء۔ ۱۹۹۴ء) اور رضی ترمذی (۱۹۲۵ء۔ ۲۰۱۳ء) کی بہترین نقل اتارتے تھے۔(۳۷) اضطراب، بے چینی، اعتما کے باوجود بے یقینی سی، بعض دفعہ تو وہ محفل میں ہجوم میں لطیفے سناتے سناتے تنہا رہ جاتے تھے، یہ سارا سفر ایک تنہا آدمی کا سفر تھا۔

انتظار حسین اپنے مضمون ''خوابوں کا مسافر'' میں ۶۰ء کی دہائی کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس دہائی کے ابتدائی برس تھے کمال احمد رضوی بہت زوروں پر نظر آ رہا تھا جیسے اس نے اس بار امانت کو اکیلے اٹھا رکھا ہو اب جیسے ترجموں اور تلخیص کا زمانہ ختم ہو گیا ہو اور طبع زاد ڈرامے کے لیے زمین ہموار ہو چکی ہو، کمال احمد رضوی طبع زاد ڈرامے کی تلاش میں نکلا ہوا تھا ایک دن وہ میری طرف بھی آ نکلا ''یار تم نے جو ایک اسٹیج پلے لکھا تھا، وہ کہاں ہے؟'' میں تو بھول ہی گیا تھا اب مجھے یاد آیا کہ دوستوں نے ایک ڈراما گروپ اظہار کاظمی کی سرکردگی میں بنایا تھا۔ انھوں نے مجھے اُکسایا کہ اسٹیج پلے لکھو مگر اس کھیل کے مکمل ہوتے ہوتے وہ گروپ بکھر گیا، اس زمانے میں یوں بھی ہوا کرتا تھا۔ ڈراما گروپ بنتے تھے شروع میں زور دکھاتے پھر ناسازگار حالات سے ہار کر ٹوٹ جاتے تھے۔ میں نے سوچا رات گئی بات گئی مسودہ دراز میں رکھ کر بھول گیا، کمال احمد رضوی نے جھنجوڑا تو کاغذوں کے تلے سے ٹٹول کر برآمد کیا جھاڑا، پونچھا اور کمال کے حوالے کیا۔ دو ڈھائی ہفتے کے بعد پھر آ ملا، سخت غصہ میں تھا، آرٹ کونسل کی ڈراما کمیٹی کہتی ہے کہ اس ڈرامے کے کردار لاہور کے ناظرین کے لیے اجنبی ہیں۔ زبان محاورہ روز مرہ والی، لاہور میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



اس زبان کو کون سمجھے گا اور یہ کردار انھیں کہاں اپیل کریں گے ڈارما فلاپ ہوجائے گا لہٰذا کونسل اسے کرنے کو تیار نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ یار میں تو آرٹ کونسل کے پاس التجا لے کر گیا نہیں تھا۔ تم مجھ سے ڈراما لے گئے تھے، تم جانو، آرٹ کونسل جانے۔ میں یہ ڈراما اپنے گروپ کی طرف سے کروں گا، کیا خیال ہے؟ ''جگ جگ کرو'' کمال احمد رضوی نے اپنے بل پر وہ ڈراما اسٹیج کیا اور لیجیے ڈراما تو ہٹ ہو گیا اور اس زمانے کے حساب سے رش لینے لگا یعنی سنجیدہ ڈراما ہمارے یہاں جتنا رش لے سکتا ہے میں خود حیران رہ گیا خوش بھی ہوا۔ پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ میں تو ڈراما نگار ہوں۔[۳۸]

اسی زمانے میں کمال احمد رضوی نے بانو قدسیہ (۱۹۲۸ء۔۲۰۱۷ء) اور اشفاق احمد صاحب (۱۹۲۵ء۔۲۰۰۴ء) سے بھی بصد اصرار اسٹیج کے لیے ڈرامے لکھوائے۔ بانو قدسیہ صاحبہ نے تو ایک اسٹیج پلے لکھنے پر ہی قناعت کی، جب کہ اشفاق احمد صاحب نے جلدی جلدی دو تین کھیل لکھ ڈالے۔[۳۹] فیض احمد فیضؔ صاحب آرٹ کونسل کے سیکریٹری مقرر ہوئے تو کمال احمد رضوی نے منٹو صاحب کے افسانے ''بادشاہت کا خاتمہ'' کی ڈرامائی تشکیل دے کر پیش کیا جو کہ بہت پسند کیا گیا۔[۴۰] ان ہی دنوں کمال احمد رضوی اپنا کھیل ''کس کی بیوی کس کا شوہر'' کراچی میں اسٹیج کرتے ہیں اور بری طرح ناکام ہو جاتے ہیں۔[۴۱] مشتاق احمد یوسفی (۱۹۲۳ء۔۲۰۱۸ء) اگلی بار کمال احمد رضوی کو کراچی بلاتے ہیں۔ آدم جی ہال میں ان کا کھیل ہٹ ہوتا ہے جس سے کمال احمد رضوی کو ستر ہزار روپے کی آمدنی ہوتی ہے، جس سے وہ لاہور جا کر گلبرک میں سوا دو کنال زمین خریدتے ہیں اور مشہور ماہر تعمیر نیر علی دادا سے اپنا گھر بنواتے ہیں۔[۴۲]

۱۹۶۴ء میں فیلڈ مارشل ایوب خان (۱۹۰۷ء۔۱۹۷۴ء) کے حکم پر اُن کے سیکرٹیری اطلاعات الطاف گوہر (۱۹۲۳ء۔۲۰۰۰ء) کے پلان کے مطابق این ای سی کی طرف سے برصغیر میں پہلا باقاعدہ ٹیلی ویژن قیام کیا گیا، پی ٹی وی نے کمرشل ڈرامے کو پروان چڑھانے کی ٹھانی تو آغا ناصر (۱۹۳۷ء۔۲۰۱۶ء) کے ترغیب دینے پر کمال احمد رضوی لکھنے کے ساتھ ساتھ ''الف نون'' کرنے لگے۔ کمال احمد رضوی ٹی وی پر ایسے گئے کہ پھر وہ لاہور سے بھی چلے گئے۔ ''الف نون'' ایک ایسی سیریز تھی جس نے سوشل سیٹائر میں طنز و مزاح کے نئے معیار قائم کئے۔

کمال احمد رضوی کے تحریر کردہ ٹی وی ڈراموں کے سلسلے ''الف اور نون'' میں بھی سماجی شعور جھلکتا ہے۔ الن کا کردار معاشرے کے چار سو بیس کرداروں کا نمائندہ ہے، جو ننھے جیسے سادہ لوح لوگوں کو مقصد برآری کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس خیال کو مزاحیہ انداز اور طنز کے ساتھ پیش کرنے میں کمال احمد رضوی کامیاب رہے ہیں۔[۴۳]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



اب ایک اچھے معاشرے کی تخلیق کے لیے کمال احمد رضوی کے پاس ایک اور ہتھیار ٹی وی جیسے طاقتور میڈیم کی شکل میں آجاتا ہے، اس سیریز سے پہلے کمال احمد رضوی یکم مئی ۱۹۶۵ء کو نزہت رفیع سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ کمال احمد رضوی کی اکلوتی اولاد سید سالار احمد رضوی *بھی نزہت رفیع سے ہے جو کہ ۱۹۶۹ء میں طلاق کے بعد اپنے ساتھ بیٹے کو امریکہ لے گئیں۔(۴۴) اس شادی کی ناکامی سے کمال احمد رضوی کو بہت صدمہ پہنچا، کمال احمد رضوی بہت غمزدہ تھے اور بہت زیادہ ذہنی تناؤ کے ساتھ وہ لاہور سے کراچی چلے جاتے ہیں۔ جہاں کچھ عرصے کے بعد دوسری شادی ہوتی ہے لیکن یہ شادی بھی زیادہ عرصے نہیں چلتی ہے کیوں کہ امینہ کا اصرار تھا کہ کمال احمد رضوی انڈیا منتقل ہوجائیں اور کمال احمد رضوی جیسے سچے پاکستانی کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔ اس لیے بالآخر ان سے بھی علیحدگی ہوگئی۔ یہ شادی ۱۸ ماہ ہی چل سکی۔ کمال احمد رضوی کی تیسری شادی عشرت جہاں سے ۱۶ نومبر ۱۹۸۴ء کو کراچی میں انجام پائی(۴۵) اور یہ رفاقت اپنے ۳۱ برس مکمل کر کے کمال احمد رضوی کی موت پر ختم ہوئی۔ کمال احمد رضوی کی شہرت کی بلندی کا سفر ''الف نون'' سے شروع ہوا اور ٹی وی کو ''الف نون''، ''مسٹر شیطان''، ''آپ کا مخلص''، ''چیلنج ویکلی''، ''نیا سبق''، ''چور دروازہ''، ''بانو کے میاں''، ''ڈرتا ہوں آئینے سے''، ''آؤ نوکری کریں'' جیسی لافانی سیریل اور ''کھویا ہوا آدمی''، ''میرا ہمدم میرا دوست''، ''چور مچائے شور'' اور ''ہم کے ٹھہرے اجنبی جیسے'' طویل دورانیے کے ڈرامے لکھنے کے علاوہ ڈیڑھ سو سے زائد کتابوں کی تصنیف، تالیف اور ترجمے پر محیط ہے۔

> ڈراما ایک خود مکتفی ادبی تخلیق نہیں، اس کا ہر جز و مصنف کے سوا دوسرے اشخاص کی سوجھ بوجھ، تعاون اور بصیرت کا محتاج ہے۔ ڈرامے یا تمثیل کا اصل منصب یہ ہے کہ فریب نظر پیدا کرے اور تین چار گھنٹوں کے لیے قارئین کو یہ سمجھنے پر مجبور کردے، گویا زندگی کا ایک ٹکڑا ان کے سامنے رقصاں ہوگیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ڈراما نگار محض اپنی فن کاری، اپنی بصیرت اور اپنی ادبی سوجھ بوجھ پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔ اسے جبراً اور قہراً دوسروں کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔(۴۶)

پروفیسر عابد علی عابد صاحب نے ڈرامے کے بارے میں جو رائے دی ہے اس کے مطابق اگر ہم کمال احمد رضوی کے ڈراموں کا جائزہ لیں تو ہمیں ان کے تحریر کردہ اکثر ڈراموں میں یہی کیفیت ملے گی۔ انھوں نے اس محتاجی کا علاج خود کو مختلف حیثیتوں میں تقسیم کر کے نکالا۔ کمال احمد رضوی اپنے ڈراموں میں ڈراما نگاری کے ساتھ ساتھ اداکاری، ہدایت کاری اور پیش کار کے طور پر اسی محتاجی کا تریاق کرتے نظر آتے ہیں۔

کمال احمد رضوی کا شمار بلاشبہ اُردو ادب کے بڑے طنز نگاروں میں ہوتا ہے۔ اُن کی تحریروں، خاص طور پر اُن

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



کے ڈراموں میں جس بے رحمی اور سفاکی کے ساتھ طنز کی نشتر زنی ملتی ہے وہ اُن ہی کا خاصہ شمار کی جاتی ہے۔ کمال احمد رضوی کے یہاں مزاح بھی ملتا ہے مگر اس کی مقدار آٹے میں نمک کی سی ہے۔

ایک ایسا شخص جس نے نفسیات میں سند حاصل کی ہو، جو بچپن میں بہت شرارتی رہا ہو بعد کی زندگی میں کیوں اتنا تلخ ہوتا گیا؟ اس معمے کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ہمیں کمال احمد رضوی کی شخصیت کا عمیق مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ان عوامل کو جان سکیں کہ جس نے کمال احمد رضوی کی ذہنی وفکری سطح کو اِس قدر تلخ بنا دیا۔ مزاج کی اس تلخی ہی نے کمال احمد رضوی کو کبھی کسی کا منظورِ نظر نہیں بننے دیا اور ان کو بد دماغ اور بے تمیز جانا گیا۔ ہر شخص اِن کی اس ذہنی اور فکری کیفیت کے سبب کہ نہ جانے کب اور کس وقت وہ ان کو کٹہرے میں لا کھڑا کریں، خود کو بچانے کی خاطر اُن سے دور رہتا تھا۔ اسی لیے کمال احمد رضوی ہجوم میں بھی تنہا تھے۔ تلخی اُن کے لہجے اور چہرے پر ایسی چسپاں ہوگئی تھی کہ اسکرین پر ناراض شخص کی ایکٹنگ کرنے لیے انھیں الگ سے محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔

اُردو کے صف اول کے افسانہ نگار، مرحوم انتظار حسین، کمال احمد رضوی کی ڈراما نگاری اور ڈرامے سے ان کے طبعی میلان پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مضمون ''خوابوں کا مسافر'' میں لکھتے ہیں:

> ''کمال احمد رضوی ہماری تاریخ کے ایک عہد جنون کی یادگار ہے۔'' میں نے دیوانوں کے ایک ہجوم کا ذکر کیا ہے، ان سبکا اپنا اپنا جنون تھا۔ کچھ دیوانے نئی مصوری کے جنون میں مبتلا تھے۔ کتنے تھے، جن پر ادب کا جنون سوار تھا۔ انھی کے بیچ یکمشت دیوانے وہ بھی تھے، جنھیں ڈرامے کا جنون تھا۔ اول الذکر درجنوں تو اپنے پیچھے ایک پوری روایت رکھتے تھے، اس کمک پر وہ دیوانے بنے پھرتے تھے مگر بے چارے ڈرامے کے دیوانے، انھیں کون سی کمک حاصل تھی۔ تھیٹر کی اگر کوئی روایت تھی بھی تو ٹوٹی پھوٹی، جس میں نہ تسلسل تھا نہ جسے استحکام حاصل تھا لیکن شوق کا تو کوئی مول نہیں ہوتا اور دیوانگی تو ہوتی ہی ہے منطق سے ناآشنا۔ تھیٹر کی کوئی روایت نہیں ہے تو روایت بنائیں گے۔ مغرب کے تھیٹر اور ڈرامے کے بڑے بڑے نام ان کے پیش نظر تھے۔ ابسن، مولیر، چیخوف۔ یہ نام ان دنوں گردش میں تھے۔ ڈراموں کے کچھ ترجمے کچھ تلخیص، انھیں اسٹیج کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کمال احمد رضوی ہر ایسے منصوبے میں پیش پیش۔ (۴۷)

غالباً پچاس سے اسّی تک کی دہائیوں کا دور ہے، جب ڈراما محض شوق اور ذاتی تسکین کی خاطر لکھا اور کھیلا جاتا تھا۔ پیسا اتنا اہم نہیں تھا مگر کب تک؟ پیسا بہر حال کسی بھی کام کے لیے بنیادی سہارا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے لکھنے والوں کا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



گروہ بکھرتا گیا۔ جس کو جہاں کچھ فائدہ نظر آیا اس نے وہاں کی راہ لی۔ مگر معدودے چند اس دنیا کو آباد رکھنے کے لیے موجود رہے۔ اُن میں سے کمال احمد رضوی ایک ایسا نام ہے جو اس دور میں بھی تھکے نہیں، برابر اُردو ڈرامے کو سہارا دیتے رہے۔ اس کا فائدہ انھیں یہ ہوا کہ جب پاکستان میں ٹیلی وژن آیا تو کمال احمد رضوی ڈرامے کے سرخیل ٹھہرے۔ اس دور کی عکاسی صاحب طرز افسانہ نگار انتظار حسین کچھ یوں کرتے تھے۔

> یہ کام درویشی مانگتا تھا کیوں کہ اس وقت اس کاروبار میں کوئی مالی منفعت تو تھی نہیں۔ ڈراما قبولیت بھی حاصل کر لیتا تب بھی اسے کتنے ناظرین میسر آتے تھے۔ آرٹ کونسل کا ہال بھر جاتا تو ڈراما کامیاب تھا مگر اس ہال میں گنجائش کتنی تھی کمرشلزم کا دور ہمارے یہاں ابھی شروع نہیں ہوا تھا ٹی وی کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ڈراما ایک سنجیدہ سرگرمی تھا اور مالی منفعت کے خیال سے بے نیاز، بس کاروبار شوق تھا۔ سو یہ کاروبار درویشی مانگتا تھا۔ درویشی اس وقت تو بہت نظر آتی تھی لیکن رفتہ رفتہ یہ احساس ہوا کہ جیسے درویش تھک ہار کر بیٹھ گئے ہوں اور ٹکڑی بکھر گئی ہو۔ کچھ یہاں کوئی امکان نہ دیکھ کر باہر نکل گئے۔ بس کمال احمد رضوی جیسے اکیلا رہ گیا ہو۔(۴۸)

مگر کمال احمد رضوی نے پھر بھی ہمت نہ ہاری۔ وہ سر میں تھیٹر کا سودا سمائے ڈراما لکھے جا رہے ہیں۔ ڈراموں کے ترجمے کرتے ہیں۔ ڈراموں میں کردار ادا کر رہے ہیں۔ ڈراما اسٹیج کرنے کے بعد جتن کیے جا رہے ہیں۔ پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کے لیے وہ مغربی ادب اور نفسیات کی کتابوں کے ترجمے بھی کر رہے تھے۔ مگر ان کا بنیادی شوق ڈراما نگاری ہی تھا۔ اس شوق اور جنون کا سرا بھی ان کے بچپن سے ملتا ہے۔ جہاں کمال احمد رضوی کے والد اپنے ساتھ ان کو لے کر تھیٹر دیکھنے جایا کرتے تھے۔ تھیٹر سے محبت کمال احمد رضوی کو اپنے والد صاحب سے ورثے میں ملی تھی۔ کمال احمد رضوی کے حوالے سے اُردو کے ایک اور ممتاز ادیب اسد جعفری کچھ یوں کمال احمد رضوی کے الفاظ میں راقم طراز ہیں:

> والد بہت سخت گیر قسم کے آدمی تھے۔ میرا کوئی دوست بھی نہ تھا، اس لیے بچپن تنہائیوں میں گزرا۔ ان حالات نے مجھے تہ میں بٹھا دیا۔ میں ضرورت سے زیادہ حساس بن گیا۔ کسی کے سامنے نہ آتا، بس اپنی دنیا میں گم تھا۔ میرے لیے یہ بات ایک لحاظ سے اچھی تھی بہ حیثیت ایک رائٹر یا ڈائریکٹر کے۔ یہ زمانہ میرے ضمیر کی بناوٹ میں اہم رہا۔ میں اب کسی سوسائٹی میں رہنے کے قابل نہیں ہوں نہ بچوں میں خوش نہ بیوی میں اور نہ دوستوں میں۔ یقین کریں بیوی تھوڑی دیر کے لیے میکے چلی جائے تو بہت خوش ہوتا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ہوں۔ دوستوں کی محفل سے یا جمگھٹ سے نکل کر جب اکیلا ہوتا ہوں تو بڑا سکون ملتا ہے۔ بیوی کے ساتھ بستر میں لیٹتا ہوں تو میں دوسری طرف منہ کر کے تنہائی میں سوچتا رہتا ہوں۔ دراصل بھائی بہن اور دوستوں کے علاوہ عزیز و اقارب سے بچپن میں دوری مجھ میں تنہائی کی خواہش کو اس قدر تقویت دے چکی ہے کہ میں جب بھی تنہا ہوتا ہوں زیادہ خوش رہتا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ جب میں مروں تو بالکل تنہائی میں میرا دم نکلے۔(۴۹)

کمال احمد رضوی کا ڈراما ''کھویا ہوا آدمی'' ان کی تنہائی اور محرومیوں کا مرثیہ ہی تو ہے۔ کمال احمد رضوی نے اپنے ڈراموں میں کبھی اپنی محرومیوں کو موضوع نہیں بنایا، انھوں نے ہمیشہ عام آدمی کے مسائل کی نشاندہی کی۔ پروفیسر سحر انصاری صاحب، کمال احمد رضوی کی شخصیت، فن اداکاری اور تمثیل نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ ''آدمی ہی اسلوبہ ہوتا ہے''۔ (Style is the man) کمال احمد رضوی کے ڈرامے ان کی شخصیت کی مکمل نمائندگی کرتے ہیں۔ شخصیت کے معنیٰ صرف یہ نہیں کہ آدمی جیسا ہو، اس کی عکاسی کر دی جائے، شخصیت میں اثر انگیزی اور اثر پذیری دونوں کا مساوی دخل ہوتا ہے۔ اس لیے کمال کے ڈراموں میں آپ بیتی، مزاج کا تیکھا پن اور ذاتی احساس تو لازمی عناصر کے طور پر موجود ہیں ہی لیکن ان کے نظریات، ان کی معروضیت اور وہ آنکھ جس سے انھوں نے دنیا کی ساخت کو انفرادی اور اجتماعی رویوں کے حوالے سے دیکھا ہے، ان کے فن کی تکمیل کا اہم رخ ہیں۔ کمال احمد رضوی کے ڈراموں کی تھیم، کردار، ماحول اور مکالمے ایک دوسرے کی فنی اور منطقی ضرورت کا مکمل ساتھ دیتے ہیں۔ اس لیے حقیقت نگاری کے دبستانِ تمثیل میں ان کے ڈراموں کو خاص حیثیت حاصل ہے۔(۵۰)

ہر ڈراما نگار کی ایک نہ ایک مخصوص تکنیک ہوتی ہے، جو اس کے کرداروں، مکالموں اور عمومی رویے سے واضح ہوتی ہے اور وہی اس کی پہچان بن جاتی ہے۔ کمال احمد رضوی کی مخصوص تکنیک اور بنیادی حربہ طنز ہے جو بسا اوقات زہر خند تک پہنچ جاتا ہے۔ طنز سفاک بھی ہوتا ہے اور کبھی کبھی مزاح کی آمیزش سے اسے نرم بھی کیا جا سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ڈراما نگار کا مقصد مثبت اِقدار کی حمایت اور معاشرے کی اصلاح ہے۔ اس اعتبار سے کمال احمد رضوی کے ڈرامے بہت منفرد ہیں۔ وہ معاشرے کے تضادات میں سے ایسے موضوعات نکال لاتے ہیں جو پرانے ہونے کے باجود فرسودہ اور گھسے پٹے نہیں معلوم ہوتے۔ کمال احمد رضوی کا ڈراما ٹریٹ منٹ صدیوں پرانے انسانی مسائل کو تازہ کاری سے پیش

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



کرنے پر قادر ہے۔ یہی کمال احمد رضوی کی فن کارانہ بڑائی ہے۔(۵۱)

کمال احمد رضوی ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے ڈراما نگاری، ترجمہ نگاری، افسانہ نگاری، ناول نگاری، مکالمہ نگاری، مضمون نگاری سمیت اردو نثر کی ناقابل فراموش خدمت انجام دی۔ ان خدمات اور خاص کر اسٹیج ڈراموں کے لیے کی گئیں خدمات کے صلے میں حکومت پاکستان کی جانب سے کمال احمد رضوی کو ۱۹۹۰ میں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔ ساری دنیا کو ہنسانے والا خود ساری عمر اپنے اکلوتے بیٹے سے دور، پل پل جیتا مرتا رہا اور بالآخر یہ عظیم شخص ۱۷، دسمبر ۲۰۱۵ء کو کراچی میں اپنے خالقِ حقیقی سے جاملا۔

## حواشی

۱۔ زاہدہ حنا، ''اندھوں کی بستی میں آئینوں کی دکان''، مشمولہ ''شخصیت'' (کمال احمد رضوی نمبر)، شمارہ ۲، (کراچی: ٹیلنٹس گلڈ، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۲۴

۲۔ کمال احمد رضوی، ''خودنوشت''، مشمولہ ''شخصیت''، ایضاً، ص ۶۵

۳۔ ایضاً

۴۔ عشرت رضوی سے انٹرویو، یکم مئی ۲۰۱۹ء، کراچی

۵۔ کمال احمد رضوی، ''خودنوشت''، مشمولہ ''شخصیت''، محولۂ بالا، ص ۶۵

۶۔ گستاخ گیاوی، ''کمال احمد رضوی''، ایضاً، ص ۲۸۳

۷۔ ایضاً، ص ۲۸۴۔ ۲۸۳

۸۔ کمال احمد رضوی، ''خودنوشت''، ایضاً، ص ۶۵

۹۔ امیر حیدری، ''محنتی، خوددار اور باکمال فن کار''، مشمولہ ہفت روزہ ''امروز'' (فلم ایڈیشن) ۲۵/ جون، ۱۹۶۸ء، ص ۴

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۔ عشرت رضوی کے مطابق رسالہ ''سہیل'' کمال صاحب کے بہنوئی شمس العارفین صاحب نے نکالا تھا جب کہ ڈاکٹر حسن منظر کے مطابق یہ کمال احمد رضوی نے پٹنہ میں قیام کے دوران نکالنے کی کوشش کی تھی جس میں انھیں ناکامی ہوئی تھی۔

۱۱۔ ڈاکٹر حسن منظر سے انٹرویو، ۱۵ مئی ۲۰۱۹ء، کراچی۔

۱۲۔ ڈاکٹر وزیر آغا، ''اردو ادب میں طنز و مزاح'' (لاہور: جدید ناشرین، ۱۹۶۶ء)، ص ۳۴۵

۱۳۔ ڈاکٹر حسن منظر سے انٹرویو، ۱۵ مئی ۲۰۱۹ء، کراچی

۱۴۔ ڈاکٹر انور سجاد، ''رجو... دی پرنس آف پلیئرز''، مشمولہ ''شخصیت''، محولۂ بالا، ص ۲۱۴۔

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۱۵۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



۲۰۔ ایضاً۔
۲۱۔ ایضاً،ص۲۱۶۔
۲۲۔ ایضاً۔
۲۳۔ مسعوداشعر،''باتوں کا دھنی''، ایضاً،ص ۲۲۲۔
۲۴۔ ایضاً۔
۲۵۔ ایضاً،ص ۲۲۴۔
۲۶۔ ڈاکٹرانورسجاد،''رجو...دی پرنس آف پلیئرز''، ایضاً،ص ۲۱۶۔
۲۷۔ ایضاً۔
۲۸۔ ڈاکٹرحسن منظر سے انٹرویو،۱۵ مئی ۲۰۱۹ء،کراچی۔
۲۹۔ ڈاکٹرانورسجاد،''رجو...دی پرنس آف پلیئرز''،مشمولہ ''شخصیت''،محولۂ بالا،ص ۲۱۷۔
۳۰۔ ایضاً۔
۳۱۔ عشرت رحمانی،''اردو ڈراما کا ارتقا''(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۴۸ء)،ص ۲۰۷۔
۳۲۔ کمال احمد رضوی،''منٹو صاحب''مشمولہ ''زیست''(منٹو صدی نمبر) شمارہ نمبر ۴،نومبر ۲۰۱۲ء،ص ۸۔
۳۳۔ ایضاً۔
۳۴۔ کمال احمد رضوی،''فیض صاحب''،مشمولہ ''کمال کی باتیں''(کراچی: اٹلانٹس پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء)،ص ۴۴۔
۳۵۔ عشرت رضوی سے انٹرویو، یکم مئی ۲۰۱۹ء۔کراچی۔
۳۶۔ ڈاکٹرانورسجاد،''رجو... دی پرنس آف پلیئرز''،مشمولہ ''شخصیت''،محولۂ بالا،ص ۲۱۷۔
۳۷۔ ایضاً،ص ۲۱۹۔۲۱۸۔
۳۸۔ انتظار حسین،''خوابوں کا مسافر''، ایضاً،ص ۲۱۰۔۲۰۹۔
۳۹۔ ایضاً،ص ۲۱۰۔
۴۰۔ کمال احمد رضوی،''منٹو صاحب''،مشمولہ ''زیست''،(منٹو صدی نمبر) شمارہ نمبر ۴، ۲۰۱۲ء،محولۂ بالا،ص ۲۰۔
۴۱۔ ڈاکٹرانورسجاد،''رجو...دی پرنس آف پلیئرز''،مشمولہ ''شخصیت''،محولۂ بالا،ص ۲۱۹۔
۴۲۔ ایضاً۔
۴۳۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ،''اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر''،(کراچی: انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۲۰۱۲ء)ص ۵۵۱۔
۴۴۔ محمد امتیاز عارف،''کمال احمد رضوی... میرے ماموں''مشمولہ ''شخصیت''،محولۂ بالا،ص ۲۹۱۔مصنف نے کمال صاحب کے بیٹے کا نام سید سالار احمد رضوی رقم کیا ہے جب کہ عشرت رضوی نے کمال صاحب کے بیٹے کا نام سید علی سالار بتایا۔
۴۵۔ عشرت رضوی سے انٹرویو، یکم مئی ۲۰۱۹ء،کراچی۔ جب کہ ''رو میں ہے رخش عمر''مشمولہ ''شخصیت''، محولۂ بالا،ص، ۹ پر عشرت جہاں سے کمال احمد رضوی کی شادی کی تاریخ ۱۶/اکتوبر ۱۹۸۳ء درج ہے۔
۴۶۔ پروفیسر سید عابد علی عابد،''اصول انتقادِ ادبیات''،(لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۶۶ء)ص ۵۳۴۔
۴۷۔ انتظار حسین،''خوابوں کا مسافر''مشمولہ ''شخصیت''،محولۂ بالا،ص ۲۰۹۔
۴۸۔ ایضاً۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



۴۹۔ اسد جعفری، ''کمال کی باتیں''، مشمولہ ''شخصیت''، محولۂ بالا، ص ۲۹۴۔
۵۰۔ سحر انصاری، ''کمال احمد رضوی... ایک بڑا ڈراما نگار''، مشمولہ ''شخصیت''، محولۂ بالا، ص ۱۲۳۔
۵۱۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔ ۱۲۳، ۱۲۸۔

## مآخذ


۱۔ آغا، وزیر، ''اردو ادب میں طنز و مزاح''، لاہور: جدید ناشرین، ۱۹۶۶ء، اشاعتِ دوم
۲۔ پاریکھ، رؤف، ''اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی و سماجی پس منظر''، کراچی: انجمن ترقیٔ اردو، ۲۰۱۲ء، اشاعتِ دوم
۳۔ رحمانی، عشرت، ''اردو ڈراما کا ارتقا''، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۴۸ء، اشاعتِ دوم
۴۔ رضوی، کمال احمد، ''فیض صاحب''، مشمولہ ''کمال کی باتیں''، کراچی: اٹلانٹس پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، اشاعتِ اوّل
۵۔ عابد، عابد علی، ''اصولِ انتقادِ ادبیات''، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۶۶ء، اشاعتِ دوم


## رسائل و جرائد


۱۔ ہفت روزہ ''امروز''، (فلم ایڈیشن) ۲۵ر جون ۱۹۶۸ء
۲۔ کتابی سلسلہ ''زیست'' کراچی، (منٹو صدی نمبر)، شمارہ نمبر ۴، ۲۰۱۲ء
۳۔ ''شخصیت'' (کمال احمد رضوی نمبر)، شمارہ ۲، کراچی: ٹیلنٹس گلڈ، ۱۹۹۸ء


## مصاحبہ


۱۔ حسن منظر سے مصاحبہ، بمقام خیابانِ سحر، ڈی ایچ اے، کراچی۔ مؤرخہ ۱۵ مئی ۲۰۱۹ء
۲۔ عشرت رضوی سے مصاحبہ، بمقام عسکری اپارٹمنٹ کینٹ، کراچی، مؤرخہ یکم مئی ۲۰۱۹ء